اورینٹل کالج میگزین، جلد۹۹، شمارہ۱، مسلسل شمارہ:۳۷۱، سال ۲۰۲۴ء

کینیڈا میں اردو نثر کی روایت

سیدہ عمیرہ حسن
لیکچرار اردو، گورنمنٹ گریجویٹ کالج شرقپور شریف، ضلع شیخوپورہ

URDU PROSE TRADITION IN CANADA

Syeda Umaira Hassan
Lecturer in Urdu
Govt. Graduate College Sharaqpur Sharif, Sheikhupura

Abstract

Prose is a form of written or spoken language that follows the natural flow of speech, uses a language's ordinary grammatical structures, or follows the conventions of formal academic writing. It differs from most traditional poetry, where the form consists of verse (writing in lines) based on rhythmic metre or rhyme. The word "prose" first appears in English in the 14th century. It is derived from the Old French *prose*, which in turn originates in the Latin expression *prosa oratio* (literally, straightforward or direct speech). Works of philosophy, history, economics, etc., journalism, and most fiction (an exception is the verse novel), are examples of works written in prose. Developments in twentieth century literature, including free verse, concrete poetry, and prose poetry, have led to the idea of poetry and prose as two ends on a spectrum rather than firmly distinct from each other. The British poet T. S. Eliot noted, whereas "the distinction between verse and prose is clear, the distinction between poetry and prose is obscure.

Keywords:
Prose, Traditional Poetry, Old French, Latin, Oratio, Journalism, T.S. Eliot, Canada.

نثر نگاری کی روایت

زبان بہ ظاہر خیال کی ترسیل کا وسیلہ ہے لیکن یہی وہ خصوصیت ہے جو انسان اور حیوان کے درمیان امتیاز کی وجہ ہے اور اس کو تمام مخلوقات میں اہم ترین مقام عطا کرتی ہے۔ زبان خیال کی ترسیل کے ساتھ جذبات اور افکار نیز نفسیاتی کیفیات کے اظہار کا ذریعہ بھی ہے۔ اس لیے انسانی زندگی میں زبان کی انفرادی سماجی اور نفسیاتی ضرورت واضح ہے زبان کے بارے میں کہا گیا ہے:

> ”زبان تحریری اور غیر تحریری علامات کا ایک ایسا روایتی نظام ہے جس کے ذریعے انسان ایک سماجی گروہ کے رکن اور اس کے تہذیبی عمل میں شریک ہونے والے فرد کی حیثیت سے اپنا اظہار کرتا ہے زبان کی تعریف یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ یہ انسانوں کی ایک مخصوص صلاحیت ہے جس کے ذریعے ایک انسان دوسرے انسان کے تجربات اور واقعات سے اس صورت میں بھی واقف ہو سکتا ہے جب کہ اس کی غیر موجودگی میں وہ تجربات اور واقعات رونما ہوئے ہوں۔ اس کے علاوہ وہ ان تمام پیچیدہ تہذیبی مظاہر کے بارے میں بات کرنا سیکھتا ہے جن سے اس کا سابقہ بعد میں ہوتا ہے۔ زبان انسانوں کے درمیان بنیادی رشتوں کو کو نمایاں کرتی ہے وہ رشتے جن کی مدد سے سماج کی ذیلی تقسیم عمل میں آتی ہے مثلاً سرکار، باہمی روابط، حیثیت اور رول وغیرہ۔“(۱)

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ زبان انسان کی اہم طاقت اور وہ خوبی ہے جو فکر و خیال کی ترسیل کا ذریعہ ہونے کے ساتھ معاشرے اور سماج کی شیر ازہ بندی کا کام بھی کرتی ہے اور لوگوں کے درمیان رابطہ قائم کرتی ہے اور تہذیب و تمدن اسی کے ذریعے نشوونما پاتا ہے۔ افراد کے درمیان یہ رابطہ دو شکلوں یعنی نظم اور نثر کے ذریعے قائم ہوتا ہے گویا زبان اظہار کے دو دائروں پر محیط ہے اور یہ دونوں دائرے ایک دوسرے سے مختلف اور ایک دوسرے میں پیوست بھی ہیں۔

نثر ایسی تحریر ہے جو منظوم نہ ہو۔ نثر کسی زبان کے معیاری طرز کلام کی بہ راہ راست نقل ہوتی ہے۔ معیاری طرز کلام سے مراد وہ انداز ہے جس میں اس انداز اور تمدن کے لوگ عام طور پر گفت گو کرتے ہیں۔ سادہ الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ نثر لکھی ہوئی بول چال کا نام ہے یعنی نثر ایک ایسی اصطلاح ہے جس میں مصنف ادیب یا لکھاری بغیر کسی ایسی موزوں صنعت کے اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے یعنی لکھاری عام فہم اور سادہ الفاظ میں تحریر لکھے جس میں وزن کا اہتمام نہ ہو۔

اردو نثر کا آغاز وارتقاء

اردو نثر کے ارتقا میں صوفیا، علما، بزرگان دین کا بڑا حصہ ہے۔ یہ بزرگ ہستیاں مختلف علاقوں میں تبلیغ دین اور اشاعت زبان کے کام کے سلسلے میں گئے۔ ان کے یہاں اردو الفاظ جملوں اور فقروں کی لڑی میں پروئے گئے اور اس طرح الفاظ کے یہ بکھرے موتی صوفیا، علما اور بزرگان دین کے اقوال اور ملفوظات کی شکل میں تبدیل ہوگئے جو اردو نثر کے ارتقا میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگرچہ اس کی ابتدا عربی اور فارسی سے ہوئی لیکن انیسویں صدی کی ابتدا تک اردو نثر میں مدلل، بیانیہ اور وضاحتی لب ولہجہ نمودار ہو گیا تھا۔ اس کی راہ روشن اور کشادہ نظر آنے لگی تھی۔ آہستہ آہستہ عربی اور فارسی کا اثر زائل ہو رہا تھا اور اردو نثر کے موضوعات میں تاریخ، سائنس اور جدید علوم کے اضافے بھی شامل ہوگئے تھے۔ اس دور میں نثر نگاروں کی نگاہیں نئی گزر گاہوں کی متلاشی نظر آتی تھیں خواب وخیال اور تصور کی رنگین دنیا سے نکل کر حقیقت کی کھوج میں سرگرداں ہوگئے تھے اور ان نثر نگاروں کی اسی مساعی اور جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ فورٹ ولیم کالج کے قیام سے پہلے ہی اردو نثر کے کئی اچھے نمونے سامنے آگئے۔

۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کے قیام سے اردو نثر کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ جان گلکرسٹ نے اردو زبان کی ترقی اور ترویج کے لیے خصوصی کردار ادا کیا۔ اس نے سارے ملک کے ایسے اہل علم جمع کئے جو کتابیں لکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ ان سے مختلف قسم کی کتابیں تصنیف کروائیں اور مختلف کتابوں کے تراجم کروائے گئے۔ ان ادبا میں میر امن (۱۷۴۸۔۱۸۰۶ء)، میر شیر علی افسوس (۱۷۳۷۔۱۸۰۹ء)، مرزا لطف علی، میر بہادر علی حسینی، میر حیدر بخش حیدری، کاظم علی، نہال چند لاہوری، للو لال جی اور بنی نارائن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۸۵۷ء کا سال اردو ادب کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ مغل سلطنت کی تہذیب مٹ گئی اور نئی تہذیب آگئی۔ سوچنے کا نیا انداز آگیا، اردو ادب کی خوش قسمتی کے دیو قامت نثر نگار اس دور میں پیدا ہوئے۔ ان نثر نگاروں میں سرسید احمد خان (۱۸۱۸۔۱۸۹۸ء)، محسن الملک (۱۸۳۷۔۱۹۰۷ء)، مولوی چراغ علی (۱۸۴۴۔۱۸۹۵ء)، نذیر احمد (۱۸۳۶۔۱۹۱۲ء)، شبلی نعمانی (۱۸۵۷۔۱۹۱۴ء)، مولوی ذکاء اللہ (۱۸۳۲۔۱۹۱۰ء) اور الطاف حسین حالی (۱۸۳۷۔۱۹۱۴ء) وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان نثر نگاروں نے اردو زبان کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا اور اسی وجہ سے آج اردو زبان آسان ترین شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

مزید جن نثر نگاروں نے اس اسلوب کے چمن میں پھول کھلائے ان میں عبدالحلیم شرر (۱۸۶۰۔۱۹۲۶ء)، ہادی رسوا (۱۸۵۸۔۱۹۳۱ء)، نیاز فتح پوری (۱۸۸۴۔۱۹۶۶ء)، سجاد انصاری (۱۹۲۴ء)،

سعادت حسن منٹو(۱۹۱۲۔۱۹۵۵ء)، علی عباس جلالپوری(۱۹۱۴۔۱۹۹۸ء) اور عابد علی عابد (۱۹۰۶۔۱۹۷۱ء) وغیرہ شامل ہیں۔ جنھوں نے اردو نثر کو متانت، وقار، علمیت، سنجیدگی، سادگی، شکوہ، بلاغت، اعجاز، لطافت، شوخی، رنگینی، تازگی اور روانی جیسے رنگ دیے ہیں۔

کینیڈا میں اردو نثر کی روایت

اردو ادب میں نثر نگاری کے فن کے حوالے سے بڑے بڑے نام ہیں جنھوں نے اردو زبان کی ترقی و ترویج کے لیے بہت کام کیا۔ لیکن اردو ادب کے منظر نامے پر چند ایسے روشن ستارے بھی ہیں جو ملک سے باہر مقیم ہیں لیکن اپنی دھرتی اپنی زبان سے دور ہونے کے باوجود بھی اردو ادب کی ترقی کے لیے بہت کام کر رہے ہیں۔ بیرون ملک جہاں جہاں اردو بولی لکھی اور سمجھی جاتی ہے ان تمام ممالک اور علاقوں کو "اردو کی نئی بستیاں" کہتے ہیں اردو کی ان نئی بستیوں میں فروغ ادب کے لیے بہت سے نام ہیں جو اپنی منفرد خدمات کی وجہ سے جانے جاتے ہیں۔ مغربی ادب کی دنیا سے ہم کچھ نہ کچھ واقف ضرور ہیں۔ لیکن تاریخ ادبیات عالم کا ایک تصور پیدا ہوا جس کے حوالے سے مغرب کے افکار و آرا پر بھی نگاہ ڈالی گئی ہے۔ اردو میں اس کام کے حوالے سے جستہ جستہ حوالے واشارات ملتے ہیں۔ کبھی شاعری کے حوالے سے اور کبھی فکشن کے حوالے سے۔ لیکن اردو کی وہ دنیا جو مغرب میں آباد ہے اس کی طرف بہت کم لوگوں کی نگاہ گئی ہے۔ ممبئی کے ادبی رسالہ **شاعر** کے ذریعے پہلی بار اردو کی نئی دنیا کی تلاش کی سعی ملتی ہے لیکن یہ کام ادھورا سا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مغرب میں جو اردو کی دنیا آباد ہے اس کا بھرپور نمائندہ اور غیر متعصب تعارف ہمارے سامنے ہو، تاکہ مستقبل میں اردو کی جو تاریخ لکھی جائے وہ ادھوری نہ رہے۔ اور جو واقعتاً ادبی تاریخ میں جگہ پانے کے مستحق ہوں انہیں ان کے منصب کے مطابق نئی زندگی مل سکے۔

مغرب میں موجود اردو کے لوگ کیا خدمات سر انجام دے رہے ہیں، کس طرح کی تالیفات سامنے آرہی ہیں، ان امور سے ہماری آشنائی علیک سلیک سے زیادہ نہیں ہے۔ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ مغرب کے اہم لکھاری کون سے ہیں؟ کسی گوشے میں ہیں اور کیا کچھ کر رہے ہیں؟ اردو کے بیرون ملک رہنے والے لکھاری جو اردو ادب کی آبیاری کے لیے کوشاں رہے ان میں بڑے نام عبد اللہ حسین (۱۹۳۱۔۲۰۱۵ء)، شان الحق حقی (۱۹۱۷۔۲۰۰۵ء)، ڈاکٹر گیان چند جین (۱۹۲۳۔۲۰۰۷ء)، سلطانہ مہر (۱۹۳۸ء)، سجاد ظہیر (۱۸۹۹۔۱۹۷۳ء)، ابن انشاء (۱۹۲۷۔۱۹۷۸ء)، مشتاق احمد یوسفی (۱۹۲۱۔۲۰۱۸ء) اور ڈاکٹر تقی عابدی (۱۹۵۲ء) وغیرہ کے نام ذہن میں آتے ہیں۔ لیکن ان مشہور ناموں کے علاوہ کئی ایسے جواہر بھی ہیں جن کے نام ادبی دنیا نہیں جانتی۔ اس آرٹیکل میں ایسے ادبی ناموں اور ان کے کارناموں سے پردہ اٹھایا جائے گا جو حیات ہیں اور موجودہ دور میں اپنی گراں قدر تخلیقات کے باعث اردو ادب کے سرمائے میں اضافہ کر رہے ہیں۔

امریکہ، کینیڈا، جرمنی اور دوسرے یورپین ممالک میں محبان اردو کافی تعداد میں موجود ہیں۔ اردو زبان و ادب کے ارتقا میں ان ممالک کی مختلف ادبی انجمنیں، ادبی ادارے کانفرنسیز، سیمی نار، مجالس اور تقاریب وغیرہ منعقد کروا رہے ہیں۔ جن میں مقامی سالانہ مشاعرے، انمول اور نادر کتب کی نمائش، اردو اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی پر ہفتہ وار اردو پروگرام معاون ثابت ہو رہے ہیں۔ یہاں کینیڈا میں مقیم اردو اہل زبان میں سے چند کا تعارف پیش کیا جائے گا جو کہ اس زبان کی ترویج کے لیے دن رات کوشاں ہیں۔

ڈاکٹر شان الحق حقی (۱۹۱۷۔۲۰۰۵ء)

ڈاکٹر شان الحق حقی مانٹریال کینیڈا سے تعلق رکھتے ہیں وہ ایک شاعر، افسانہ نگار، نقاد، محقق، ماہرِ لسانیات اور مترجم ہیں۔ انھوں نے جس صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے وہ ترجمہ کی صنف ہے۔ بلاشبہ دنیائے ادب میں ترجمے کو وہ اہمیت حاصل نہیں ہے جو تخلیق کو حاصل ہے لیکن شان الحق حقی نے ترجمے کا کام بھی اس انداز سے کیا ہے کہ ان پر بات کرنے والا اکثر و بیشتر ان کے تراجم سے بات شروع کرتا ہے۔ انھوں نے ڈھائی ہزار سال پہلے لکھی جانے والی کتاب **ارتھ شاستر** کا ترجمہ کیا۔ یہ کتاب چندر گپت موریہ کے زمانے میں لکھی گئی تھی۔ شام شاستری نے سنسکرت سے انگریزی میں ترجمہ کیا تھا اور انگریزی سے اردو میں شان الحق حقی نے ترجمہ کیا۔

شان الحق حقی کا دوسرا معرکہ آرا کام **بھگوت گیتا** کا ترجمہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بھگوت گیتا کا عالمی ادب میں اہم مقام ہے۔ بھگوت گیتا کرشن جی سے متعلق مہابھارت کا ایک باب ہے اس میں ہندو فلسفہ بھی ہے۔ اہل نقد و نظر بغیر کسی شک و شبے کے اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ **ارتھ شاستر** اور **بھگوت گیتا** کے اردو تراجم جو انھوں نے کیے ہیں وہ سب سے بہتر ہیں۔ کتاب **بھگوت گیتا** کا ترجمہ دلی سے انجمن ترقی اردو ہند نے شائع کیا، جو لوگ علم و آگہی کی اعلی منازل تک پہنچ جاتے ہیں وہ تعصبات سے مبرا ہو جاتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان دانش وروں نے ہمیشہ اسی فراخ دلی اور بالغ نظری کا ثبوت دیا ہے۔ دلیل کے طور پر ایک اقتباس درج ذیل ہے:

> ”یورپ کی نشاۃ ثانیہ کا سرچشمہ اندلس کی درس گاہیں تھیں جن کے ذریعہ علوم و فنون یورپ کو نصیب ہوئے۔ جے جے سینڈرز نے لکھا ہے یورپ کے دور جاہلیت میں راہبوں کے علاوہ کسی کو حصول علم کے مواقع میسر نہ تھے جب کہ اسی دور میں ہسپانیہ میں نہ صرف کثیر تعداد میں علما تھے بل کہ ہر شخص لکھ پڑھ سکتا تھا یہ اس سپین کی بات ہے جو عربوں کے زیر اقتدار تھا۔ یوں بھی پندرھویں صدی میں یورپ کے کسی ایسے مصنف کا حوالہ نہیں دیا جا سکتا جس نے عربوں سے استفادہ نہ کیا ہو۔ اور فرانسیسی محقق اور تاریخ دان گستالی باں کی کتاب کا

ترجمہ سید علی بلگرامی نے تمدن عرب کے نام سے کیا ہے۔ اس نے تو یہاں تک کہا ہے کہ راجر بیکن 'پکاسو'لیناڑدو جیسے دانش ور عربوں کے شاگرد تھے۔" (۲)

شان الحق حقی نے غالب پر بھی کام کیا ہے غالب کی اردو فارسی میں نئی ترکیب جو غالب نے دی ہیں اس پر ان کی **آئینہ افکارغالب** کتاب ہے۔ وہ ان ادیبوں میں سے نہیں جن کے لیے یہ لکھنا ضروری ہو کہ فلاں سکول سے میٹرک کیا وہاں سے یہ پڑھا، ان کا علمی تجربہ ان کی تعلیمی قابلیت سے کہیں زیادہ ہے۔ وہ اس معیار کے ادیب ہیں کہ جنھوں نے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں پیش کی جاتی ہیں، ان کی مندرجہ ذیل کتابیں اب تک شائع ہو چکی ہیں: **انتخاب ظفر، صور اسرافیل، نشید حریت، بہت خیابان پاک، انجان راہی**(ناول)، **تار پیرہن، نکتہ راز مقالات، تیسری دنیا، سہانے ترانے، نظر خسرو، قہر عشق، نقد و نگارش، درپن درپن، یادش بخیر، بھگوت گیتا، ارتھ شاستر، شاخسانے، لغات تلفظ، لسانی مسائل و لطائف، مضامین ممتاز، نگار خانہ، شرح نکات غالب، آوارہ لمحے** (مزاحیہ مضامین)۔

ڈاکٹر تقی عابدی(۱۹۵۲ء)

ڈاکٹر تقی عابدی کینیڈا سے تعلق رکھنے والی ایک علمی و ادبی شخصیت ہیں۔ انھوں نے تحقیق و تنقید میں ایک ممتاز مقام حاصل کیا ہے۔ وہ ایم بی بی ایس سے لے کر ایف آر سی پی تک علم الابدان کے ڈاکٹر ہیں مگر قرطاس و قلم سے ان کا تعلق بہت مضبوط ہے۔ وہ تقریباً ۷۰ کتابوں کی ترتیب تدوین تصنیف تجزیہ اور ترجمہ کر چکے ہیں تحقیق و تنقید پر انھیں خاص کمال حاصل ہے۔ علم کلام، علم بیان، صرف و نحو پر بھی وہ پورا عبور حاصل رکھتے ہیں۔ تاریخ کے نہاں خانوں میں پوشیدہ ادبی اور قلمی پاروں کو تلاش کر کے انھیں منظر عام پر لا کر ادب میں ان کو ان کا جائز مقام دلانا ان کا پسندیدہ کام ہے۔ کینیڈا کے شہر ٹورنٹو میں تقی عابدی کی لائبریری اردو ادب کا عجائب خانہ ہے جہاں ہزاروں قیمتی نادر و نایاب قلمی نسخے موجود ہیں۔ اردو زبان کے رسم الخط کے حوالے سے بحث کی بابت آپ کا نقطہ نظر اور تجاویز نہایت اہمیت کا حامل ہے، وہ کہتے ہیں:

"اردو ایک زندہ اور توانا زبان ہے کیوں کہ زندہ ہے، اس لیے ہر روز اس کے مسائل نئے ہیں۔ اردو زبان کے اس قدر کم عمری میں اتنی بڑی زبان بن جانے کا راز اس کا دوسری زبانوں سے لین دین ہے۔ آج یونیسکو کی شمار بندی کے لحاظ سے یہ دنیا کی چوتھی یا پانچویں بڑی زبان ہے۔ اقوام متحدہ کے لحاظ سے یہ بائیسویں نمبر پر اس لیے ہے کہ ہم نے اپنی مادری زبان سندھی، پنجابی، گجراتی، بنگالی، بلوچی یا ملیالم لکھوایا ہوا ہے۔ بہر حال اردو پھیل رہی ہے۔ بعض مقامات پر یہ آنکھوں کی زبان نہیں رہی ایسے نازک موقع پر اس کے رسم الخط اور اس کی تہذیب کی حفاظت ہم سب کی ذمہ داری بنتی ہے۔ جہاں تک سوال اردو کے ادبا و شعرا اور ناقدین کے اختلاف رائے کا ہے اس میں کچھ اثر تو ماحول کا اور کچھ جگہ شخصیات اثر انداز ہو رہی ہیں۔"(۳)

تقی عابدی کی نثری تصنیفات میں نقد سخن، احسن اقبال کے عرفانی زاویے، تجزیہ یادگار، فیض فہمی، امجد فہمی، اظہار حق، ادبی معجزہ، سید سخن وغیرہ اہم ہیں۔

سید خورشید عالم

ترقی پسند نقاد سید خورشید النبی (۱۹۵۶ء) دیار غیر میں رہ کر اردو ادب کی آب یاری کے لیے تن من دھن سے کوشاں ہیں۔ سید خورشید عالم نے ہندوستان سے پاکستان، پاکستان سے کینیڈا ہجرتوں کا عذاب جھیلا ہے۔ اتنے طویل سفر میں اور عمر کا زیادہ تر حصہ ایک نظریے کے ساتھ وابستگی کے بعد وہ آج بھی قائل ہیں کہ جس نظریہ ادب سے وہ جڑے ہوئے ہیں وہی زندگی کا ادب ہے، زندگی کے لیے ہے اور جن لوگوں نے اس ادب کو پروان چڑھانے میں حصہ لیا ہے وہ زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔

جدیدیت کے متعلق ان کا نظریہ یہ ہے کہ ایک فکشن ہی نہیں بل کہ پورے تخلیقی ادب میں جدیدیت یا ادب، اس سے آگے بڑھ کر مابعد جدیدیت نے ادب میں بے معنویت غیر انسانی طرز ادا کو اپنا مہمل گوئی سے بے زاری میں اضافہ کیا ہے:

> "سید خورشید عالم کا کہنا ہے کہ گزشتہ بیس سال کے ادبی رجحانات ایک ایسے نسلی تفاوت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس میں بحرانی کیفیت اور فکری خلفشار کا شائبہ پایا جاتا ہے جس سے خیالات کا ٹکراؤ افکار میں تضاد اور اپنی راہ خود متعین کرنے کی حوصلہ مندی سامنے آ رہی ہے۔ ارتقائی عمل اور بدلتی ہوئی حقیقت کے نو بہ نو پیکر اور مظاہر قدرت کے علائم میں تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں جن کا نئے سرے سے جائزہ لیا جانا اور انھیں ابلاغ کی نئی صورتوں سے پیش کیا جانا فن کی ضرورت بن گئی ہے۔"(۴)

سید خورشید عالم کے مضامین معیاری جریدوں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ عصری آگہی، طلوع افکار، اردو انٹرنیشنل، ارتقا اور منشور ان پرچوں میں شامل ہیں۔ ان کی پہلی تصنیف **تعبیر** ہے جو کہ تنقیدی مضامین پر مشتمل ہے اس کے علاوہ **تنقید و ترجیحات**، **گریہ چاہیے ہے خرابی** اور **عہد ظلمات** وغیرہ شامل ہیں۔

اشفاق حسین

اشفاق حسین (۱۹۵۳ء) کینیڈا سے اردو ادب کی آب یاری کر رہے ہیں۔ ٹورنٹو میں ترویج اردو کی پہلی اردو انجمن رحیم انجان (۱۹۳۵ء) نے بنائی تھی اور ایک دوسرا ادارہ رائٹر فورم آف پاکستانی اشفاق حسین، عابد جعفری (۱۹۵۵ء)، جمال زبیری، جوش مندوزی اور عروج اختر زیدی نے بنایا تھا جس کے پہلے صدر اشفاق حسین تھے۔ ان دونوں اداروں نے ٹورنٹو سے اردو ادب کی خدمت کا آغاز کیا۔ اشفاق حسین کی نثری تصنیفات میں **فیض ایک جائزہ**، **فیض کے مغربی حوالے**، **فیض حبیب عنبر دست** شامل ہیں۔ ان کی

جن ادبی خدمات کا ذکر کیا گیا ہے اشفاق نے اس سے کہیں زیادہ کام کیا ہے۔ اور انھوں نے ایک سال علی سردار جعفری اور ایک سال احمد فراز کو ایک سال گوپی چند نارنگ کو اردو ایوارڈ بھی دیے ہیں۔

اکرام بریلوی

اکرام بریلوی (۱۹۱۸ء) ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان ہیں اور سول سروس کے گریڈ انیس سے ریٹائر ہونے کے بعد کینیڈا میں سکونت پذیر ہیں۔

اکرام بریلوی شاید پہلا نام اور پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ منزل بلوغت تک پہنچنے سے پہلے ہی انھوں نے ادب کی دنیا میں بسیرا کیا تھا۔ یا ان کے نام کا سورج طلوع ہونے لگا تھا۔ جب کہ اگر اکرام بریلوی یہ اعلان کر دیتے تو انھیں یہ زیب دیتا تھا، اس لیے کہ وہ اس گھرانے کے چشم و چراغ ہیں جہاں ادب کا اجالا اکرام بریلوی کی ولادت سے پہلے پھیلا ہوا تھا۔ ان کے دادا سید اکبر حسین کی وکیل بھی تھے اور شاعر بھی اور داغ دہلوی کے شاگرد تھے۔ ان کے والد گرامی سید اقبال حسین پولیس آفیسر ہونے کے ساتھ ایک شاعر تھے، ان کی مادر گرامی ماہر قصہ گو تھیں۔ افسوس کہ آج قصہ گوئی کا فن معدوم ہو گیا ہے۔ حال آں نکہ قصہ گوئی اعصاب و اذہان کو خوابوں کے حسین جزیروں میں لے جاتی ہے اور تھکا ہوا انسان قصہ گوئی کی بزم سے واپس آتا ہے تو خود کو تازہ دم محسوس کرتا ہے۔ قصہ گو کی کام یابی کا انحصار قصہ گو کے بیان اور لہجے سے زیادہ اس کی قوت متخیلہ کی تازگی پر ہوتا تھا۔ اکرام بریلوی نے بیسویں صدی کی تیز رفتاری میں مختصر افسانے کی بہ جائے ناول نویسی کو اپنایا۔ ہو سکتا ہے یہ اسی قوت متخیلہ کے عطا ہو۔ ان کی پہلی ادبی کاوش ایک ڈرامہ "خوفناک محبت" ۱۹۳۸ء میں اختر شیرانی کے رسالہ **رومان** میں چھپا۔ اس کے بعد **نیرنگ خیال**، **ادب لطیف**، **ادبی دنیا**، **ساقی** جیسے جرائد میں تسلسل سے اکرام بریلوی کی تحریریں شائع ہونے لگیں۔ "پل صراط" کے دیباچے میں **محمد علی صدیقی** کا اکرام بریلوی کے بارے میں لکھنا ہے:

> "اکرام بریلوی ایک کہنہ مشق ناول نفیس ہیں۔ "پل صراط" سے پیشتر تین ناول تحریر کر چکے ہیں۔ موجودہ ناول بہ طور خاص تاریخی مواد سے بہ رہ ور ہونے کی ایک کام یاب کوشش ہے۔ اکرام بریلوی نے تاریخی حقائق سے کھیلے یا اس کا تمسخر اڑائے بغیر ان واقعات کو من و عن پیش کر دیا ہے۔"(۵)

اکرام بریلوی کے اہم ادبی نثری کارناموں میں **نیا افق** ناول، **گردش** ناول، **سوداگر** طویل ڈرامہ، "شرار جنگ" مختصر ڈرامے، "زلف کے سر ہونے تک" (شیکسپیئر کے ڈراموں سے) "لاوا" ناول، "پل صراط" ناول، "آشوب سدا" ناول، "جمع، تفریق، تقسیم" ناول، "تازہ آئندہ" مضامین، "جوش شخص اور شاعر" تنقید اور دو افسانوی مجموعے **تیز ہوا میں پتے** اور **تیسری نسل** جیسی تصنیفات شامل ہیں۔

شکیلہ رفیق

کراچی سے تعلق رکھنے والی شکیلہ رفیق (۱۹۵۲ء) ٹورنٹو میں مقیم ہیں اور وہیں سے اردو ادب کی خدمت کر رہی ہیں۔ انھوں نے سرسید کالج سے گریجویشن کیا۔ سب سے پہلی کہانی ۱۹۷۲ میں سانحہ مشرقی پاکستان سے متاثر ہو کر لکھی۔ جس کا نام "احساس کا جرم" تھا۔ شکیلہ کی دوسری کہانی "درد کا ملاپ" تھی جو **نیادور** کراچی سے شائع ہوئی اور اس کہانی کو ہندوستان اور پاکستان کے دیگر جرائد نے نقل کیا۔ شکیلا کی کہانیوں کے سندھی، ہندی اور انگریزی میں تراجم بھی ہوئے۔ بہت سی معیاری رسائل اور جرائد ہیں جو شکیلہ کی کہانیوں اور افسانوں کو شائع کرتے ہیں۔ شکیلہ رفیق کی چار کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ عام طور پر فکشن لکھنے والے افسانے سے ابتدا کرتے ہیں مگر شکیلہ رفیق نے لکھا ہے کہ ان کی پہلی کتاب **درد ہے ساتھی اپنا** ایک ناولٹ ہے جو ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔

شکیلہ کی دوسری کتاب افسانوں کا مجموعہ **کچھ دیر پہلے نیند سے**، تیسری کتاب **خوشبو کے جزیرے** افسانوں کا چوتھا مجموعہ **قطار میں کھڑا آدمی** پانچواں مجموعہ **ریموٹ مجھے دو** ہے۔ شکیلہ نے اپنی سوانح پر بھی کام شروع کر دیا ہے۔ اندازہ ہے کہ وہ سوانح نگاری کے میدان میں بھی ضرور کوئی ندرت پیدا کریں گی۔ شکیلہ رفیق پر بڑے نقادوں نے لکھا ہے۔ وہ خاموش طبع، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سلیقہ مند خاتون ہیں۔ وہ کہانی سنانے کا فن جانتی ہیں اور بھاری الفاظ اور انجان علامتوں کو استعمال کرنے سے پرہیز کرتی ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی شکیلہ کے بارے میں کہتے ہیں:

> "شکیلہ رفیق کی کہانیاں ہمارے معاشرے کی عام گھریلو زندگی کی کہانیاں ہیں۔ وہ زندگی جہاں غم اور خوشی ایک ساتھ چلتے ہیں اور ہر پل نئی نئی کہانیاں جنم لیتی ہیں۔ شکیلہ رفیق نے گہرے مشاہدے اور ہر دم بدلتی زندگی کے تجربوں سے حاصل کی ہوئی کہانیوں سے ایسا رنگ پیدا کیا ہے جو ان کا اپنا مخصوص رنگ ہے۔"(٦)

روبینہ فیصل

روبینہ فیصل (۱۹۸۲ء) لاہور، پاکستان سے تعلق رکھنے والی کینیڈین نژاد ادیبہ ہیں۔ دنیا میں بہت کم شخصیات کثیر الجہات ہوتی ہیں۔ انھی کثیر الجہات شخصیات میں سے ایک نام روبینہ فیصل کا ہے جو بہ یک وقت افسانہ نگار، کالم نگار، ناول نگار، ڈرامہ نگار، شاعرہ، سیاسی تجزیہ کار، ٹی وی اینکر اور ڈاکومنٹری پروڈیوسر ہیں۔ اردو ادب کے منظر نامے میں ایسی شخصیات خال خال ہی دکھائی دیتی ہیں جو ایک وقت میں اتنے بہت سارے کام بہ خوبی سر انجام دیتی ہیں۔ کینیڈا میں مقیم ہونے کے باوجود اردو سے ان کی محبت کسی تعارف کی محتاج نہیں بل کہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اردو سے محبت نے روبینہ کو ادب میں ایک خاص مقام عطا کیا ہے

جس وجہ سے وہ پاکستان اور پاکستان سے باہر جانی جاتی ہیں۔ روبینہ فیصل ایک خاص انداز کی حامل ہیں۔ وہ اپنے موثر اور صاف گو انداز کی وجہ سے اپنی الگ پہچان رکھتی ہیں۔ افسانہ نگاری کے حوالے سے بات کی جائے تو ان کے لکھے گئے افسانے اپنے پڑھنے والوں کے جہاں دل موہ لیتے ہیں وہاں پڑھنے والوں پر سوچ کے نئے در بھی وا کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے قلم کو ساؤتھ ایشین مسلم کمیونٹی اور ان کے سماجی اور ثقافتی مسائل پر بڑی خوب صورتی سے استعمال کیا ہے ۔ان کے افسانوں کا اثر فرد کے ساتھ ساتھ کمیونٹی پر بھی واضح نظر آتا ہے۔ اصغر ندیم سید کا روبینہ فیصل کے افسانوں کے بارے میں لکھنا ہے:

> "روبینہ کا ہر افسانہ اچھوتے مسئلہ کو سادہ اور سچے بیانیہ کے ساتھ پیش کرتا ہے جس سے تاثیر بڑھ جاتی ہے روبینہ کا یہی انداز ان کی کامیابی کی دلیل ہے کہ یہ افسانے خود کو پڑھواتے ہیں۔ ہر کہانی آپ کو ساتھ بہا کر لے جاتی ہے۔" (۷)

عابد جعفری

سید عابد جعفری (۱۹۵۵ء) میں کراچی میں پیدا ہوئے انھوں نے ۱۹۷۳ء میں ایس ایم لاء کالج کراچی سے جی ایس سی کی ڈگری حاصل کی۔ مزید تعلیم جارج براؤن ٹیکنیکل کالج ٹورانٹو کینیڈا سے حاصل کی۔ پیشے کے حوالے سے پاور انجینئر، مزاجاً شاعر، بنیادی طور پر افسانہ نگار، جزوقتی صحافی، فطرتاً ادیب غرض عابد جعفری کی شخصیت کے بہت سے پہلو ہیں لیکن شاعرانہ بے نیازی ان کی ساری خوبیوں پر حاوی ہے۔ عابد جعفری ۱۹۷۵ء میں ٹورنٹو آئے۔ اس وقت وہ ایک افسانہ نگار اور شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ ٹورنٹو میں اردو کی ترویج کے لیے جن ادیبوں نے کام کیا ان میں جعفری بھی شامل تھے، ۱۹۷۹ء میں ایک پندرہ روزہ اردو اخبار **امروز** کی اشاعت شروع ہوئی تو عابد جعفری اس کے ایڈیٹر تھے۔ ٹورنٹو میں اردو کے حوالے سے مقامی یا بین الاقوامی اجتماعات کا ذکر ہو تو عابد جعفری کا نام اس میں ضرور ہوگا۔ ٹورنٹو میں اردو شاعروں کا حوالہ دیا جائے تو عابد جعفری نظر آئیں گے، نثری ادب کی بات ہو عابد جعفری کا نام لیے بغیر بات نہیں بنتی۔ عابد جعفری کا قرطاس و قلم سے پہلا رشتہ افسانہ نگاری سے شروع ہوا تھا۔ وہ امریکہ اور کینیڈا میں پہلے افسانہ نگار ہیں۔ کینیڈا میں "رائٹر فورم" کے بانی و صدر رہیں۔

ان کی تصانیف میں **سپنے جاگتی آنکھوں کے**، **امیدوں کے خالی ہاتھ**۔ **جب سے دیکھنے آیا**، مجموعہ مرثی شامل ہیں۔ ان کے افسانوی مجموعے **سپنے جاگتی آنکھوں کے** اور **امیدوں کے خالی ہاتھ** انسٹیٹیوٹ آف تھرڈ ورلڈ آرٹس اینڈ لٹریچر نے کینیڈا سے شائع کر دیے ہیں۔

عبدالقوی ضیا

عبدالقوی ضیا(۱۹۲۵ء) سڈبری کینیڈا سے تعلق رکھنے والی ایک معروف علمی و ادبی شخصیت ہیں۔ان کی تصنیف **تاریخ اندلس** جس کو اتنی شہرت ملی کہ حکومت ہسپانیہ نے مصنف کو سپین کی کلچرل سٹڈی کی گرانٹ دی۔جس کے تحت عبدالقوی ضیانے پورا سپین دیکھا اور مسجد قرطبہ میں بھی قیام کیا۔ بیسویں صدی میں اردو نثر نگاری کے ضمن میں عبدالقوی ضیا کی تاریخ اندلس، تاریخ تہذیب و تمدن اگرچہ مختصر کتابچوں کی حیثیت رکھتی ہیں لیکن بہ قول فرمان فتح پوری آج تک اندلس کی تاریخ پر اتنی مختصر اور اتنی جامع کوئی دوسری کتاب نہیں لکھی گئی۔ پروفیسر عبدالقوی کے تحریر کردہ خاکے **وہ آئیں گھر میں ہمارے** ایک دل چسپ کتاب ہے۔ان کی دیگر تصنیفات میں **پاکستانی امریکی روابط پانچویں دہائی میں**، **برف زار**، **اردو ادب میں نئی جہات** اور **تاریخ تہذیب وتمدن** شامل ہیں۔

رضا الجبار

رضا الجبار(۱۹۳۷ء) سکاربرو کینیڈا سے تعلق رکھتے ہیں۔ان کے ادبی سفر کی ابتدا ۱۹۵۴ء میں ہوئی۔ان کی پہلی کہانی "لڑکیوں کا وارڈ" تھی۔ جسے ایوارڈ ملا اس ایوارڈ نے ان کی حوصلہ افزائی کی اور ان کی تحریروں میں اعتماد کی روشنی پیدا کی۔ اس کے بعد ان کی تحریریں مستند رسائل اور جرائد میں شائع ہونے لگیں۔رضا الجبار کی تخلیقات کو کرشن چندر اور اکرام بریلوی نے خوب سراہا۔

اردو ادب کی تحریکوں کے حوالے سے جدیدیت کے متعلق ان کی رائے صداقت کی کسوٹی پر پوری اترتی ہے۔وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ ابتدا میں جدیدیت کو نیا روشن راستہ سمجھ کر قلم کار اس راستے پر آئے مگر جب یہ معلوم ہوا کہ کہانیوں میں سے کہانی کا عنصر غائب ہو گیا ہے تو قاری اور قلم کار دونوں کو مایوسی سے دوچار ہونا پڑا۔ترقی پسند تحریک کے متعلق انھوں نے کس قسم کا اظہار خیال نہیں کیا۔مثبت نہ منفی مگر یہ حقیقت ہے کہ دانستہ یا نادانستہ ترقی پسند تحریک سے بہت متاثر ہیں۔وہ جانتے ہیں کہ کہانیاں افسانے کے معاملے میں آج تک وہ کہانیاں ہیں ابدیت حاصل کر سکی ہیں جو جھونپڑیوں سے ، غربت و افلاس سے اور مظلومیت سے جڑی ہوئی ہیں۔ ان کی تصانیف میں **روشنی کی کرن**، **نئی دھڑکنیں**، **چاند کی کشتی کا پہلا مسافر**، **نوہیرے بچوں کے لیے**، **رنگ برنگے پھول** شامل ہیں۔

ڈاکٹر خالد سہیل

خالد سہیل(۱۹۵۲ء) ٹورنٹو کینیڈا میں مقیم ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں۔خالد سہیل مختلف الجہات تخلیق کار ہیں۔ تخلیق کے حوالے سے انھوں نے ادب کی ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔افسانہ نگاری کے حوالے سے خالد سہیل کی درج ذیل کتابیں ہیں: **زندگی میں خلا**، **دو کشتیوں میں سوار**، **ٹوٹا ہوا آدمی**، **دریا کے**

اس پار، دھرتی ماں اداس ہے اور **دیوتا** شامل ہیں۔ انھوں نے جس طرح افسانوں کے مجموعے کے نام تلاش کرنے میں کاوش کی ہے اسی طرح جو کہانیاں سنائی ہیں، جو افسانے تراشے ہیں، ان میں بھی ندرت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جس میں وہ بہت کام یاب نظر آتے ہیں اور کہیں ندرتوں کے سمندر کے کنارے کھڑے اس سوچ میں نظر آتے ہیں کہ ان کی فکر نے سمندر کی اتھاہ گہرائی سے موتی لانے کے لیے جو غوطہ لگایا تھا وہ ابھی واپس کیوں نہیں لوٹی۔

ڈاکٹر خالد سہیل کے افسانے انھیں فکشن کے سفر میں راہ نما مثال راہ نورد ثابت کرنے کے لیے شافی وکافی ہیں۔ مگر خوب سے خوب تر کی تلاش پر آمادہ جو بے قراری ان کے اعصاب پر ہر وقت سوار رہتی ہے انھیں سر گرم سفر رکھتی ہے۔ وہ پیشے کے اعتبار سے ماہر نفسیات ہیں۔ تجسس کا پر تو ان کے افسانوں میں بھی نظر آتا ہے۔ لیکن انھوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بل کہ بہ راہ راست نفسیات بشر پر ایک کتاب لکھ دی جس کا موضوع **انفرادی اور معاشی نفسیات** ہے۔

خالد سہیل نے اپنے گرد و پیش کی زندگی کو بہت باریکی سے دیکھا ہے اور اس پر اظہار خیال کیا ہے اپنے ایک انٹر ویو میں ان کا کہنا ہے میری کتابوں کو دیکھیں تو آپ کو ایک جنگ کے موضوع پر، ایک سیاہ فام لوگوں کی جدوجہد کے موضوع پر اور ایک عورتوں کے مسائل کے موضوع پر کتاب ملے گی۔ یہ سب کتابیں اقلیتوں کے بارے میں ہیں تاکہ اردو کے قاری کو عالمی مسائل اور ان کے بارے میں تحریکوں کا علم ہو سکے۔ ان کے افسانوں کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کی روح مظلوم کی حالت زار دیکھ کر تڑپ اٹھتی ہے۔ وہ بلاشبہ مظلوموں کے حامی اور ظالموں اور غاصبوں کی چیرہ دستیوں کے خلاف محاذ آرا ہیں۔ انجم خالد سیال کے بارے میں کہتے ہیں:

> "ان کا تحقیقی سفر تلاش سے شروع ہوا۔ گھر کی اجنبیت نے اسے ہجرت کی وادیوں میں اتارا۔ نئی منزلوں کے لیے وہ نکلا تھا اور نئے رشتے اس کا مدعا تھا۔ وہ ایک فطرت پسند انسان ہے اور وہ ایک ایسے انسان کو لے کر لکھتے ہیں جو مذہب معاشرت اور قانون سے الگ ہو کر چلتا ہے۔"(۸)

بیگم اختر جمال

بیگم اختر جمال(۱۹۳۰۔۲۰۱۱ء) گلاسکو کینیڈا سے تعلق رکھتی ہیں۔ اختر جمال کو ذوق ادب ورثے میں ملا۔ ان کے ابا اور تایا دونوں اچھے شعر کہتے تھے۔ ان کے والد محمود الحسن صدیقی **ظل السلطان** کے مدیر تھے۔ مضامین اور کہانیاں لکھتے تھے۔ والدہ **امہات** کی مدیرہ تھیں۔ وہ بھی کہانیاں لکھتی تھیں۔ امی ابو دونوں کی کہانیاں ادبی رسائل میں شائع ہوتی تھیں۔ اختر جمال نے بھی بہت چھوٹی عمر سے لکھنا شروع کر دیا

تھا۔ نویں جماعت کی طالبہ تھیں کہ ایک مشہور بک ڈپو کی طرف سے پیش کش ہوئی کہ وہ اختر جمال کی مطبوعہ کہانیوں کو کتابی صورت میں شائع کرنے پر آمادہ تھا۔ لیکن اختر جمال کے ابو نے انکار کر دیا۔ ماں باپ چوں کہ ادبی شخصیات تھے اس لیے اختر کو ابتدائی عمر میں ہی اچھی کتابیں، اچھی باتیں، اچھے لوگ ملے۔ جگر، ساگر، روش صدیقی اور احسان دانش کی شفقت اور راہ نمائی ملی۔ ابا نے ٹالسٹائی کی کہانیاں اور ناول پڑھنے کو دیے۔ پریم چند کی کہانیاں، راجندر سنگھ بیدی کے افسانے دل میں اترنے لگے۔ گھر میں ترقی پسند تحریک کی روشنی، اختر جمال کو اوائل عمری میں کیسی کیسی نعمتیں ملیں۔ وہ خود لکھتی ہیں کہ ابا نے سوشلزم سے متعلق کتابیں دیں۔ ایف اے میں تھی تو روسی ادب کا مطالعہ کیا۔ دوستووسکی، ترجنیف، ٹالسٹائی، گورکی اور چیخوف کی تصانیف توجہ سے پڑھیں۔ انگریزی زبان میں اس وقت ڈکنز اور ہارڈی زیادہ پسند تھے۔

بیگم اختر جمال کی تصانیف میں **پھول اور بارود** ناول (جو جنگ عظیم کے پس منظر میں لکھا گیا)، **انگلیاں فگار اپنی**(افسانے) **زرد پتوں کا بن** افسانے، **سمجھوتہ ایکسپریس**(افسانے)، **خلائی دور کی محبت**(افسانے)، **ہری گھاس اور سبز گلاب**(خاکے) قابل ذکر ہیں۔ اُن کی تحریروں کا مزاج اور معیار ان کے ایک مقولے سے واضح ہو جاتا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں سمجھتی ہوں قلم کی عصمت عورت کی عصمت سے زیادہ نازک ہوتی ہے اور ایک لکھنے والے کا فرض یہ ہے کہ وہ ہر قیمت پر اپنے قلم کی عصمت کی حفاظت کرے۔ جب کہ لکھنے والا لالچ یا شہرت کے لیے قدم اٹھاتا ہے تو وہ قلم کی ہتک کرتا ہے۔ اختر جمال کی فکر ترقی پسند تحریک کی عطا کردہ ہے جس تحریک نے ادب کو انسانی دکھوں سے جوڑ دیا۔

کرامت غوری

کرامت غوری(۱۹۴۲ء) ٹورنٹو کینیڈا سے تعلق رکھتے ہیں۔ انھوں نے کراچی کے شعبہ بین الاقوامی تعلقات سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ انھوں نے ۱۹۸۶ء سے ۱۹۸۸ء تک پاکستان کے بیرونی ممالک کے سفارت خانوں میں کام کیا۔ وزارت خارجہ اسلام آباد میں بھی بہ طور ڈائریکٹر جنرل فرائض منصبی بھی سر انجام دیے۔ انھوں نے اپنی ۳۴ سالہ سفارتی زندگی میں زندگی کی ہولناکیوں سمیت بہت کچھ دیکھا۔ ان کا قلم اجالے بکھیرنا چاہتا تھا۔ ان کی سوچ ستاروں پر کمند ڈالنا چاہتی تھی لیکن سفارت خانے کی کرسی پر بیٹھنا اور صرف وہ کچھ کہنا جس کا اسے اختیار دیا گیا ہو کتنا کٹھن مرحلہ تھا۔ جنگ سے پہلے اور اس کے بعد کویت اور بغداد کی گلیوں میں بم باری کے نشانات دیکھنا اور چپ رہنا، بغداد میں بچوں کے لیے دودھ بنانے والی فیکٹری پر امن کے دیوتاؤں کی بم باری کے ہولناک نتائج دیکھنا اور چپ رہنا کتنا کرب ناک ہو گا۔ ان کے اندر جو ایک قلم کار بیٹھا تھا وہ بہت توانا تھا۔ انھیں چپ رہ کر یہ سب دیکھنا گوارا نہ تھا۔ اس لیے انھوں نے اپنے آپ کو غلامی کی ان بیڑیوں سے آزاد کیا اور آزاد ہواؤں کے دیس ٹورنٹو میں جا کر بس گئے۔ یہاں

آکر اپنے قلم کا کھل کر استعمال کیا۔ کرامت غوری کی تصانیف بتاتی ہیں کہ قرطاس و قلم سے ان کا رشتہ ہمیشہ رہا ہے۔

کرامت غوری کی پہلی کتاب **چائنہ ڈول** انگریزی کہانیوں کا مجموعہ تھی۔ اس کے علاوہ **ایک لمحہ سچائی کا** (افسانے)، **تا بہ خاک کاشغر** (چین پر رپور تاژ)، **در خانہ اطہر** (سلام نعت منقبت)، **حرف کرامت**، **سفر ناتمام** اور **خاک در بوتراب** شامل ہیں۔

رحیم انجان

رحیم انجان ٹورنٹو کینیڈا سے تعلق رکھتے ہیں آزاد کشمیر میں پیدا ہوئے۔ رحیم انجان نے ٹورنٹو سے ایک میگزین **ملاقات** جاری کیا۔ یہ وہ دور تھا جب ٹورنٹو میں صاحب ذوق لوگوں کے گھروں پر ادبی نشستیں ہوا کرتی تھیں۔ رحیم انجان نے "شام ملاقات" کے زیر عنوان باقاعدہ ادبی محفل کا آغاز کیا۔ فیض احمد فیض پہلی بار ٹورنٹو میں "ملاقات" کی دعوت پر ہی تشریف لے گئے تھے۔ رحیم انجان کے گھر پر قیام پذیر تھے کہ عابد جعفری اور رحیم انجان کی موجودگی میں فیض صاحب نے ایک "اردو انجمن کینیڈا" کی تجویز پیش کی اور ٹورنٹو میں بین الاقوامی مشاعروں اور ادبی اجتماعات کی راہیں ہموار کیں۔

سچائی اور صداقت رحیم انجان کی افسانہ نگاری میں نمایاں ہے اور یہی صداقت ان کی تحریروں کی بنیاد ہے۔ اپنی افسانہ نگاری کے محرکات اور پسندیدہ افسانہ نگار سے متعلق رحیم انجان کہتے ہیں:

> ”منشی پریم چند، سعادت حسن منٹو، کرشن چندر، ممتاز مفتی، منشایاد اور انتظار حسین میرے پسندیدہ افسانہ نگار ہیں۔ جنہیں پڑھ کر لکھنے کا شوق ہوا۔ افسانہ نگاری کے فن کی ان معتبر ہستیوں میں سے کسی کا جانشین تو نہیں بن سکا البتہ اپنے نام کے ساتھ انجان کا اضافہ کر کے خود کو افسانہ نگار کہنے لگا ہوں۔“(۹)

معین اشرف

معین اشرف (۱۹۲۵ء) اٹوا کینیڈا سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا نام سید معین الدین ہے اور آپ کا خانوادہ اشرفیہ کے سلسلہ حضرت قدوۃ الکبریٰ سید اشرف جہانگیر سمنانی سے ملتا ہے۔ ننھیال کی طرف سے معین شریف کا سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری سے ملتا ہے۔

معین شریف کی افسانوں پر مشتمل تصنیف **ترچھے راستے**، اور افسانوں نو پر مشتمل انگریزی ترجمہ Come brother lie down قابل ذکر ہیں۔ اردو زبان و ادب کی معتبر شخصیات پروفیسر عتیق احمد،

خالد سہیل، علی سردار جعفری، قاضی عبدالستار، گوپی چند نارنگ وغیرہ نے محمد اشرف کے افسانوں کی تعریف کی ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ مختلف اکابرین کے خیالات اور پسند ناپسند کے پیمانے ان کے ادبی نظریات کے تحت مختلف ہیں لیکن اختلاف کے باوجود تمام دانشوروں نے معین شریف کے افسانوں کی تعریف کی ہے۔

الغرض کینیڈا کے اردو نثر نگاروں نے اردو نثر کی روایت میں اپنا بھرپور حصہ شامل کیا ہے۔ اردو نثر کو اردو ادب کی ان نئی بستیوں میں زندہ کیا ہے اور اردو ادب کی بھرپور آبیاری کی ہے اور اسے ایک نئی زندگی بخشی ہے۔ کینیڈا میں موجود فکشن نگاروں کے افسانوں اور ناولوں میں موضوعات، اسلوب، انداز بیان، فکر اور تکنیک کی سطح پر کثیر رنگی کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ وہ اپنی افسانوی کائنات کے ذریعے اردو قارئین کو امکانات کے نئے جہانوں کی سیر کرواتے ہیں۔ جن میں مہاجرین اور ہجرت، نفسیاتی تصادم، پہلی اور تیسری دنیا کے افراد کی محرومیاں اور مجبوریاں، اقلیتوں، عورتوں، بچوں اور سیاہ فاموں کے مسائل وغیرہ کے موضوعات شامل ہیں۔ وہ ان تمام عناصر کو لے کر اردو نثر کی روایت کو کینیڈا میں زندہ رکھے ہوئے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) انسائیکلوپیڈیا برٹینکا (۲۰۱۰ء) ،ایڈیشن جلد ۱۳ص۶۹۷س

(۲) عاشور کاظمی،فسانہ کہیں جسے،(دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۳ء)،۳۳۔

(۳) رسالہ چہار سو، (راولپنڈی: فیض الاسلام پرنٹنگ پریس مئی جون،۲۰۰۹ء)،۲۲۔

(۴) خورشید عالم،عہد ظلمات، (لاہور: حوری نورانی پبلشر، مکتبہ دانیال ۱۹۹۴ء)،۱۱۔

(۵) اکرام بریلوی،پل صراط،(کراچی: مکتبہ افکار،۱۹۸۸ء)،۹۔

(۶) بحوالہ ویب سائٹ اردونوٹس www.urdunotes.com بتاریخ ۱۸دسمبر ۲۰۲۲ء، بوقت شام

(۷) روبینہ فیصل،گمشدہ سائے،(لاہور، قلم فاؤنڈیشن،۲۰۱۸ء)،۴۔

(۸) خالد سہیل، چند گز کا فاصلہ،(کراچی: سٹی بک پوائنٹ پبلشرز، ۲۰۱۳ء)،۲۹۔

(۹) عاشور کاظمی، فسانہ کہیں جسے،۹۵۔

BIBLIOGRAPHY

- Ashore Kazmi, *Fasanah Kahen Jise*, (Dehli, Educational Publishing House, 1993).
- Encyclopedia of Bartanica, (Vol. 13, 2010).
- Ikram Barelvi, *Pūl Ṣirāt*, (Karachi, Maktba Ifkar, 1988).
- Khalid Sohail, *Chand Gaz kā Fāslah*, (Karachi, City Book Publisher, 2013).
- Khurshid Alam, *Ahd-e Zūlūmāt*, (Lahore, Hoori Norani Publisher, 1994).
- Risala *Chahār Sū*, (Rawalpindi: Faizulislam Printing Press, May-June 2009).
- Rubina Faisal, *Gumshūda sa'ye*, (Lahore, Qalam Foundation, 2018)
- www.urdunotes.com

❖❖❖